**IQBAL REVIEW** (65: 3)
(July - September 2024)
ISSN: P0021-0773
ISSN: E3006-9130

# اقبال، فلسطین اور جمعیّتِ اقوامِ مشرق

محمد یوسف چوہان

## ABSTRACT

During the First World War, Britain made cleverly some contradictory agreements with Sharif Hussain of Makkah, Abdul Aziz bin Abdur Rehman Aal-e-Saud, World Zionist Congress and Allied Powers. The weapon of Turk-Arab Nationality was used on theoretical level against the Caliphate of the Ottoman Empire. After the war, Arab was divided in different countries among the Allied Forces. Palestine was illegally handed over to the Zionists gradually without the consent of Palestinians. Allama Dr. Muhammad Iqbal in the very beginning disclosed the negativities of the theory of Nationality and protested against the cruel policy of Britain and League of Nations to habilitate Jews in Palestine. In his speeches, letters and poetry, he became the voice of Palestinians. He participated in the second conference of Motamar Al-Alam Al-Islami and was elected as Vice-President with Syed Alouba Pasha. He urged Britain to cancel the Balfour Declaration. He rejected the planning of League of Nations to divide Palestine into two states and advised Muslim countries to make their own Eastern League of Nations to solve their problems. He gave an idea of making Tehran, the headquarter of Eastern League of Nations.

مسئلہ ٔفلسطین پہلی عالمی جنگ کی پیداوار ہے۔ اس جنگ سے پہلے مسلمانوں کی مرکزیت خلافتِ عثمانیہ کی صورت میں متشکل تھی۔ جنگ میں عثمانیوں نے اتحادی طاقتوں کے مقابل حصہ لیا۔ جنگ جیتنے کے بعد اتحادیوں نے خلافتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اپنے وفادار عربوں میں بانٹ دیا۔ فلسطین کو انھوں نے صیہونیوں کے حوالے کر دیا تاکہ یہاں کے انمول آبی ومعدنی وسائل پر قبضہ اور عربوں پر اپنا تسلّط برقرار رکھا جاسکے۔ اتحادیوں کی اس تمام منصوبہ بندی کو شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے بڑی باریک بینی سے دیکھا اور اس مسئلے کا حل نکالنے کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ طاقتور ادب کی تاریخ میں اردو اور فارسی کے حوالے سے خصوصی جبکہ عالمی ادب میں عمومی طور پر شاید ہی کوئی اور شاعر ہو، جو اپنے اور بعد کے ادوار میں اتنا زیادہ حوالہ بنا ہو، جتنا کہ اقبال۔ زیرِ نظر مضمون میں فلسطین کے حوالے سے ان کے کردار کو ان کے تمام تصنیفی و تقریری سرمایے کی روشنی میں متحقق کرکے ایک نتیجے پر پہنچنے کی کاوش کی گئی ہے۔

تاریخی لحاظ سے فلسطین پر یہودیوں کی نظر تو بہت پہلے سے تھی لیکن اس سلسلے میں باقاعدہ اقدام کا فیصلہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے اختتام پر کیا گیا، جب ۲۷ اگست ۱۸۹۷ء کو سوئٹزرلینڈ کے شہر بیسل (Basle) میں پہلی عالمی صیہونی کانگریس منعقد ہوئی، جو تین دن تک جاری رہی۔، ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل اس کے اصل محرک تھے، جو ایک سال پہلے ہی ''The Jewish State'' نامی ایک کتابچہ لکھ چکے تھے۔ یہ کانفرنس اس نے اپنے 'یہودی ریاست' کے نظریے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بلائی تھی۔ اس کانگریس میں دنیا بھر سے یہودیوں کے سیکڑوں وفود نے شرکت کی۔ یہودیت کی تاریخ میں ایسا اجتماع پہلی بار ہوا تھا۔ دریاے نیل اور دریاے فرات کے درمیان ارضِ موعود (Promised Land) کو حاصل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی گئی۔ "ورلڈ زیونسٹ آرگنائزیشن" کی بنیاد رکھی گئی اور ڈاکٹر ہرزل کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ صیہونیت کا نصب العین یہ طے ہوا کہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک گھر بنایا (to create) جائے گا، جسے پبلک لا کا تحفظ حاصل ہو گا__ اجلاس کے بعد ڈاکٹر ہرزل نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا کہ میں نے آج یہودی ریاست کی بنیاد رکھ دی ہے، جسے پچاس سالوں میں یقیناً ہر کوئی دیکھ لے گا۔' اس قوم کی منصوبہ بندی دیکھیے کہ جب یو این او نے اسرائیل کے قیام کی منظوری دی تو بیسل میں پہلی صیہونی کانگریس کو منعقد ہوئے پورے پچاس سال گزر چکے تھے۔

اقبال نے عالمی قوتوں کو ریاستِ اسرائیل کے قیام کے ظالمانہ اقدام کے عواقب سے نہ صرف بروقت متنبہ کیا بلکہ اسے روکنے کے لیے بساط بھر مزاحمت بھی کی۔ اسرائیل کے قیام کا طریقہ کار مصنوعی، غیر فطری اور غیر قانونی تھا، جسے پہلی جنگِ عظیم کے فاتحین نے طاقت کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیا تھا__ طاقت قانون کو توڑ مروڑ کر کس طرح اپنے مفاد کے حق میں استعمال کرتی ہے، اس کی بہترین مثال دنیا کے نقشے پر ریاستِ اسرائیل کا قیام ہے__ برطانیہ نے نظریاتی سطح پر اس کے لیے عرب اور ترک قومیت کا ہتھیار استعمال کیا۔ سیکولرازم کی تحریک کی بدولت برطانیہ کی مثال اس لنڈی کی سی تھی، جو اپنی دم تو کٹوا بیٹھی تھی، لیکن اب چاہتی تھی کہ باقی سب بھی اپنی اپنی دمیں کٹوالیں۔ اقبال نے بالکل ابتدا میں قومیت کے جن کی ہیبت ناکی کو پوری دنیا پر روشن کر دیا تھا۔ انھوں نے یورپ سے واپسی کے بعد ہی نظریۂ قومیت کے خلاف آواز بلند کر دی تھی، جس کا ثبوت ان کی ۱۹۱۰ء میں لکھی گئی اس موضوع پر بیاض ہے، جو **Stray Reflections** کے نام سے شائع ہوئی۔ اس عالمی گھمبیر مسئلے پر ان کے لیکچر "The Muslim Community: A Sociological Study" میں بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی، جو ۱۹۱۱ء میں انگریزی میں علی گڑھ کالج میں دیا گیا__ اس لیکچر کا اردو ترجمہ "ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے عنوان سے مولانا ظفر علی خان نے کیا، جو زیادہ تر اسی نام سے معروف ہے__ اقبال نے تصورِ قومیت کو قرآن سے اخذ کیا۔ ان کے خیال میں قومیت کی بنیاد رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ وغیرہ پر نہیں، بلکہ مذہب پر ہے۔ چونکہ قومیت کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا، اس لیے انھوں نے ۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو خان نیاز الدین خان کے نام خط میں سیاست کے بارے میں لکھا کہ یہ اسلام کی رو سے مذہب کی لونڈی ہے۔[۲]

۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی۔ ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء کو عثمانی خلیفہ نے اتحادیوں کے خلاف جرمنی کی حمایت کر کے اعلانِ جہاد کر دیا۔ جنگ کے دوران برطانیہ نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں کچھ اعلانات اور معاہدات کیے۔ چونکہ اقبال کی تحریروں اور تقریروں میں ان کے حوالے جا بجا ملتے ہیں اور ان کا تعلق مسئلۂ فلسطین کی تفہیم سے براہِ راست ہے، اس لیے ان میں سے کچھ کا تذکرہ اہم ہے:

۱۔ برطانیہ کو انڈیا سے بغاوت کا خطرہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو وہ ابھی بھولا نہیں تھا اور نہ ہی اسے ابھی مسلمان بھولے تھے۔ لہٰذا ۲ نومبر ۱۹۱۴ء کو وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کو غلط فہمی نہ ہو، اس جنگ میں مذہبی جنگ کا کوئی سوال نہیں۔ مقاماتِ مقدسہ اور بندر گاہِ جدّہ پر برطانوی بری

اور بحری طاقتوں سے کبھی حملہ نہ ہو گا اور نہ ہی ان کو ستایا جائے گا، جب تک کہ حجاج و زائرینِ ہند سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔ برطانیہ کی استدعا پر فرانس و روس نے بھی اسی طرح کا یقین دلایا ہے۔[۳] اس یقین دہانی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیونکہ سلطنتِ عثمانیہ سے جنگ لڑنے کے لیے ہندوستان سے بڑی تعداد میں نفری بھیجی گئی تھی، جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۹ء کے **مشرق** کے ص ۱۸ کی ایک رپورٹ کے مطابق: ہندوستان کی طرف سے ۵،۷۹،۲۵۲ جنگجو عالمی جنگ میں بھیجے گئے، جن میں سے ۱۹،۰۱۰ مارے گئے، ۶۱،۹۱۶ زخمی ہوئے، ۳،۳۴۱ لاپتہ ہیں، ۶،۱۴۶ قید ہیں، ۱،۲۲۳ کے بارے میں گمان ہے کہ وہ قید ہیں، غیر جنگجو جو اس جنگ میں بھیجے گئے، ان کی تعداد ۵ لاکھ سے زائد ہے۔

وائسرائے کی طرف سے یہ اعلان پیش بندی کے طور پر کیا گیا تھا کیونکہ بعد ازاں جب ہندوستانی فوجیں میسوپوٹامیہ میں ترکوں کے خلاف جنگ لڑ رہی تھیں، پیچھے فوجیوں کی تعداد صرف دس ہزار تھی۔ بغاوت کی صورت میں ہندوستانی فوج میسوپوٹامیہ سے واپس بلانی پڑتی، جس سے وہاں جنگ کا پانسا پلٹ جاتا اور برطانیہ کے لیے کامیابی ناممکن ہو جاتی۔ ہندوستان میں بغاوت کا منصوبہ ترتیب دیا گیا، لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ اتحادی، محوری طاقتوں کو شکست دے چکے تھے۔ منصوبہ غداروں کی وجہ سے ناکام ہو گیا اور خلافت کی تحریک کو سختی سے کچل دیا گیا۔ مولانا محمود حسن کو گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ اسی طرح باقی قائدینِ تحریک کو بھی قید و بند کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ ریشمی رومال تحریک کو ایک غدار نے ناکام بنا دیا۔ جلیانوالہ باغ کا قتلِ عام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

۲۔ ۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو وزیرِ اعظمِ برطانیہ لائڈ جارج نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مقصد ترکی کو اس کے دارالخلافہ سے محروم کرنا ہے نہ ایشیائے کوچک اور تھریس کے علاقوں پر قبضہ کرنا بلکہ ہم بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راستہ کو بین الاقوامی نگرانی میں لانا چاہتے ہیں۔ ہماری رائے ہے کہ آرمینیا، عراق، شام اور فلسطین اپنی اپنی جداگانہ قومی حکومتوں کے مستحق ہیں۔[۴]

۳۔ برطانیہ نے نجد کے حکمران خاندان آلِ سعود کے ساتھ معاہدے کے لیے اپنا نمائندہ کیپٹن شیکسپیئر بھیجا۔ اس نمائندے کے دباؤ پر جنوری ۱۹۱۵ء میں آلِ سعود نے شمار کے حکمران خاندان آلِ رشید— جو سلطنتِ عثمانیہ کے حلیف تھے— کے خلاف جنگ لڑی۔ آلِ سعود کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے شیکسپیئر لڑائی میں بنفسِ نفیس شریک ہوا اور اتفاقاً آلِ رشید کے ہاتھوں مارا گیا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ایک معاہدہ شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمان السعود اور برطانیہ کے درمیان ہوا، جسے معاہدۂ داران (Treaty of Darin) کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے شاہ عبدالعزیز برطانیہ کا حلیف بن گیا۔

طے پایا کہ وہ آلِ رشید سے جنگ کرے گا اور شریفِ مکہ کے علاوہ باقی تمام برطانوی زیرِ تحفظ ریاستوں سے دوستانہ مراسم رکھے گا۔ اس کے علاوہ وہ برطانیہ کی مرضی کے بغیر کسی دوسری بیرونی طاقت سے کوئی دوستانہ معاہدہ نہیں کرے گا۔ بدلے میں برطانیہ اسے غیر ملکی جارحیت کے نتیجے میں تحفظ فراہم کرے گا۔ مزید یہ کہ ماہانہ ایک مختص رقم اور سامانِ حرب بھی فراہم کرے گا۔[۵] شاہ عبدالعزیز نے ستمبر ۱۹۱۸ء میں آلِ رشید سے جنگ کر کے انھیں شکست دی اگرچہ یہ ادھوری شکست تھی۔ مکمل شکست کے لیے ۱۹۲۱ء میں آلِ رشید اور آلِ سعود میں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ سلطنتِ عثمانیہ عالمی جنگ ہار چکی تھی، لہٰذا آلِ رشید کو شکستِ فاش ہوگئی اور جنگ کے بعد تمام علاقوں پر آلِ سعود قابض ہو گئے۔

۴۔ برطانیہ کو فوری طور پر اس حکمران کی وفاداری مطلوب تھی، جس کے قبضے میں مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ تھے۔ جنگ میں اسلامی جذبات کو بھڑکنے سے روکنے کے لیے حجاز کے گورنر کو شیشے میں اتارنا لازمی تھا تاکہ مسلمانانِ عالم کے لیے اسے خلافتِ عثمانیہ کے فوری متبادل کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ برطانوی سفارت کاری دیکھیے، اسی دوران شریفِ مکّہ حسین بن علی الہاشمی اور مصر میں مقیم برطانوی ہائی کمشنر سر ہنری میکموہن کے درمیان جولائی ۱۹۱۵ء سے مارچ ۱۹۱۶ء تک دس خطوط کا خفیہ طور پر تبادلہ ہوا۔ ۱۴ جولائی ۱۹۱۵ء کو میکموہن کو لکھے گئے پہلے خط میں شق ۲ کے تحت شرط کے طور پر شریف حسین نے مطالبہ کیا کہ برطانیہ ترکوں کے خلاف جنگ میں عملی حصّہ لینے کے صلہ میں اس کی سربراہی میں بننے والی عرب خلافت کے قیام پر اظہارِ رضامندی کرے۔ میکموہن کی طرف سے جواب ۳۰ اگست ۱۹۱۵ء کو آیا، جس میں اس نے متذکرہ بالا صورتِ حال میں اس کی سربراہی میں بننے والی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء کے خط میں میکموہن نے اس خلافت کے نظریے پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حکومتِ برطانیہ کی طرف سے شریف حسین کو مکمل آزاد عرب مملکت کی یقین دہانی کروائی اور اعتماد دلانے کے لیے ساتھ بیس ہزار ڈالر فوری طور پر بھجوائے۔[۶] برطانیہ نے ماہانہ بنیادوں پر معقول رقم اور سامانِ حرب شریفِ مکہ کو مطلوبہ نتائج برآمد ہونے تک ادا کیے، جس کے نتیجے میں شریفِ مکہ نے ۱۰ جون ۱۹۱۶ء کو حجاز میں عثمانی خلافت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور عالمی جنگ میں خلافتِ عثمانیہ کے خلاف عملی طور پر برطانیہ کا حلیف بن گیا۔

۵۔ برطانیہ ایک طرف تو شریفِ مکہ، ہندوستانی مسلمانوں اور دیگر ممالک کو دھوکے سے یقین دہانیاں کروا رہا تھا اور دوسری طرف انتہائی رازداری سے وہ عثمانی خلافت خاص طور پر مشرقِ وسطیٰ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے یورپی حلیفوں میں بانٹنے کی سازش رچا رہا تھا۔ اپریل اور مئی ۱۹۱۶ء میں

برطانیہ، فرانس اور روس کے مابین اس سلسلہ میں ایک خفیہ سمجھوتہ طے پایا، جو تاریخ میں "سائکس۔پیکو معاہدہ" کہلاتا ہے۔ طے ہوا کہ عراق، شرقِ اردن اور حیفا کو برطانیہ کی ملکیت میں دے دیا جائے گا اور فرانس کو لبنان اور شام ملے گا۔ فلسطین کے بارے میں فیصلہ کیا گیا کہ اسے بین الاقوامی نگرانی میں دیا جائے گا۔ روس نے اس شرط پر کہ استنبول اس کے حوالے کیا جائے گا، اس معاہدے کی تمام شقوں سے اتفاق کر لیا۔ اگلے ہی سال روس میں کمیونسٹ انقلاب آ گیا۔ نئی حکومت نے اپنی نئی پالیسی کے تحت یہ خفیہ منصوبہ تشت از بام کر دیا۔ عربوں کو پہلی مرتبہ اتحادیوں کی دھوکے بازی کا علم ہوا۔ چراغ حسن حسرت نے لکھا کہ اگر اس وقت بھی عرب ہوشمندی سے کام لیتے اور اتحادیوں کا آلہ کار بننے سے انکار کر دیتے تو یقیناً جنگ کا نقشہ بدل جاتا۔[۷]

۶۔ برطانیہ نے صیہونی کانگریس کے ساتھ بھی خفیہ مذاکرات کیے۔ برطانوی وزیرِ خارجہ جیمز آرتھر بالفور نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو صیہونی رہنما لارڈ روتھز چائلڈ کو ایک خط لکھا، جو دراصل برطانیہ اور صیہونی کانگریس کے درمیان ایک معاہدہ تھا، جس میں یہودی حمایت کے بدلے میں برطانیہ نے 'فلسطین میں یہودیوں کے لیے قومی گھر کے قیام' کو نہ صرف تسلیم کر لیا، بلکہ یہ بھی طے ہوا کہ وہ 'اس مقصد کے حصول کی سہولت کاری میں بھرپور جدوجہد' کرے گا۔ [A Short History of Zionism, P. 74] بعد ازاں یہ معاہدہ تاریخ میں "اعلانِ بالفور" (The Balfour Declaration) کے نام سے معروف ہوا۔ اس طرح گویا بیسل کانفرنس کا اہم سنگِ میل عبور کر لیا گیا۔ عربوں کی بغاوت کے نتیجے میں برطانوی فوجیں عرب فوجوں کے تعاون سے ۱۱ دسمبر ۱۹۱۷ء کو شہر قدس میں داخل ہو گئیں۔ برطانوی فوج جنرل النبی اور عربی فوج امیر فیصل کے زیرِ قیادت تھی۔ عربی فوج عربوں کے علاوہ ہندوستانیوں پر مشتمل تھی، جس میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ یہ وہی امیر فیصل بن حسین الہاشمی شریفِ مکہ ہے، جس کے بارے میں اقبال نے **بانگِ درا** کی آخری غزل میں ادریس سنوسی کے موقف کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ادریس نے امیر فیصل کو کہا تھا کہ تو قلب وروح کے حوالے سے نہیں، صرف نسل کے اعتبار سے حجازی ہے__ گھر کو گھر کے چراغ سے آگ لگ چکی تھی ۔ خلافتِ عثمانیہ آزمائش کی اس کڑی گھڑی میں عرب محاذ کھلنے کی تاب نہ لا سکی۔ ۱۹۱۸ء میں وہ شکست سے دوچار ہو گئی اور یوں خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس صورتِ حال نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک مرکز سے محروم کر دیا اور اتحادِ امّت پارہ پارہ ہو گیا۔

۷۔ محوری طاقتوں یعنی جرمنی اور ترکی نے امریکہ سے کچھ شرائط پر جنگ بندی کی درخواست کی، جن کی بنیاد پر ۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو امریکہ کے صدر وڈرو ولسن نے امریکی کانگریس کے سامنے چودہ نکات کی صورت میں امن پروگرام پیش کیا، جسے بعد ازاں وزیرِ اعظم برطانیہ لائیڈ جارج اور اتحادیوں نے بھی تسلیم کرنے کے اعلانات کیے۔ اس میں ترک سلطنت کے تابع علاقوں کے لیے اپنی حکمتِ عملی کا اعلان شق ۱۲ میں کیا گیا، جس کے مطابق انھیں مکمل خود مختاری کی یقین دہانی کروائی گئی۔[۸]

۸۔ امیر فیصل اور صیہونی رہنما چیم ویز مین کے درمیان ایک معاہدہ ۳ جنوری ۱۹۱۹ء کو ہوا، جو نو شقوں پر مشتمل تھا۔ امیر فیصل نے اس معاہدے کی شق ۳ میں اعلانِ بالفور کو تسلیم کر لیا۔[۹]

۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو عالمی جنگ باقاعدہ طور پر بند ہو گئی۔ ۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء کو پیرس کانفرنس شروع ہوئی، جس میں ۳۲ ممالک شریک ہوئے۔ پیرس کانفرنس میں ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو لیگ آف نیشنز کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ کانفرنس ۲۱ جنوری ۱۹۲۰ء کو لیگ آف نیشنز کے پہلے اجلاس کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اس کانفرنس نے فلسطین کا انتظام برطانوی حکومت کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا اور برطانیہ کو پابند کیا کہ وہ 'اعلانِ بالفور' پر عمل کروائے، بعد ازاں لیگ آف نیشنز نے بھی اس کی توثیق کر دی اور یوں بیسل کانفرنس کے پبلک لا کے تحت قومی وطن منظور کروانے کے ایک اور اہم ترین مرحلے کی طرف پیش رفت ہو گئی۔ 'اعلانِ بالفور' کے تحت برطانیہ نے فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنا شروع کر دیا، جس پر عربوں کی طرف سے شدید ردِ عمل آیا۔ ہندوستان کے مسلمان اس تمام عالمی منظر نامے پر پریشان اور بے چین ہو گئے۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو لاہور میں ایک جلسۂ عام موچی دروازہ کے باہر منعقد ہوا۔ اقبال نے قرار داد پیش کرتے ہوئے اتحادیوں سے مطالبہ کیا کہ سلطنتِ عثمانیہ کے بارے میں برطانوی وزیرِ اعظم اپنے جنوری ۱۹۱۸ء کے وعدے اور امریکی صدر اپنے چودہ نکات کا پاس کریں، جن کی بنیاد پر جنگ بند کی گئی تھی۔ جو سلوک عیسائی دشمن سلطنتوں کے بارے میں روا رکھا گیا، وہی مسلمان سلطنتوں کے بارے میں روا رکھا جائے۔ نیز عثمانی خلافت کا کوئی علاقہ کسی طرح بھی کسی دوسرے ملک کی ملکیت میں نہیں آنا چاہیے۔[۱۰] اس جلسے کی ایک روداد غلام جیلانی برق نے بھی بیان کی، جس سے پتا چلتا ہے کہ اقبال سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کو ۱۲۵۸ء میں سقوطِ بغداد کے ہم پلہ سانحہ سمجھتے تھے، جس میں ۱۹ لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔ کم و بیش ۴۰ سال بعد چنگیزیوں کی اولاد نے اسلام قبول کیا تو دنیا میں اسلام کو ایک بار پھر عروج حاصل ہوا۔ اقبال کو یقین تھا کہ عثمانیوں کے زوال کے بعد ایک بار پھر اسلام کا بول بالا ہو گا۔[۱۱]

۱۹۲۱ء میں انجمنِ حمایتِ اسلام کے جلسے میں اقبال نے اپنی نظم "خضرِ راہ" پڑھی، جس میں انھوں نے شریفِ مکّہ حسین بن علی الہاشمی پر سخت گرفت کی۔ اقبال شریفِ مکہ کو خلافتِ عثمانیہ کی شکست کی بڑی وجہ سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے کہا کہ ترکی خون میں لت پت ہے، جبکہ شریفِ مکہ نے ناموسِ دینِ مصطفیٰ ﷺ کو بیچ دیا ہے۔ دنیا کے ٹھیکیدار نسل، ملک، تہذیب اور رنگ کے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ مجھے ترکوں اور عربوں کی کہانی مت سناؤ، مجھ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں۔ عیسائی مسلمانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث چھین کر لے گئے اور حجاز کی خاک پر اب کلیسا کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ مغرب نے مسلمانوں کو فرقوں میں ایسے بانٹ دیا ہے، جیسے گاز سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ سب مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حرمِ کعبہ کی حرمت کے لیے دریاے نیل سے شہر کاشغر تک متحد ہو جائیں۔ اپنے اندر اپنے اسلاف کی جرأت و حمیت پیدا کریں تاکہ دنیا میں ایک بار پھر خلافت کی بنیاد رکھی جا سکے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی محبت میں گرفتار مسلمانو! ہوشیار ہو جاؤ، باطن کو تو تم نہیں جانتے، لیکن ظاہر سے تو ہوشیار رہا جا سکتا ہے — یہ سارا ڈرامہ چونکہ عرب قومیت کے نام پر رچایا جا رہا تھا، اس لیے اقبال نے اس گمراہ کن نظریے کو آڑے ہاتھوں لیا۔ **ضربِ کلیم** میں بھی "امراے عرب سے" کے عنوان سے ایک نظم موجود ہے، جس میں عرب قومیّت کے کھوکھلے پن کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اقبال نے کہا کہ اگر عرب کے امرا کی شان میں گستاخی نہ ہو تو یہ کافرِ ہندی ایک سوال کرنے کی جرأت کرنا چاہتا ہے کہ مصطفیٰ ﷺ سے وصال اور ابولہب سے افتراق والا نکتہ پہلے کس امت کو سکھایا گیا تھا؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ آج تمام عالمِ عرب کی شناخت محمدِ عربی ﷺ کے دم قدم سے ہے۔ اب یہ کسی حد بندی کا پابند نہیں ہے۔

لیگ آف نیشنز نے ۲۴ جولائی ۱۹۲۲ء کو ایک قرار داد پاس کر کے فلسطین کو برطانیہ کے انتداب میں دے دیا اور اسے پابند کیا کہ وہ 'اعلانِ بالفور' پر عمل درآمد کرانے میں سہولت کاری کرے۔ لیگ آف نیشنز کے منشور میں 'سائکس۔ پیکو معاہدہ' پر عمل درآمد کروانے کے لیے مینڈیٹری پاورز کے نظریے کو خلافتِ عثمانیہ کے دیگر حصوں پر بھی لاگو کر دیا گیا۔ مینڈیٹ کی یہ تعریف کی گئی کہ مفتوح ممالک اس کے اہل نہیں ہیں کہ وہ خود مختار ہو کر اپنے اپنے ممالک کو خوش اسلوبی سے چلا سکیں۔ فاتح یا اتحادی ممالک ایک عرصہ تک ان ممالک میں ان کو حکومت کرنا سکھائیں گے۔ جب وہ مطلوبہ اہلیت حاصل کر لیں گے تو ان کو مکمل خود مختاری دے دی جائے گی۔[۱۲] اقبال برطانیہ کی اس چال سے بخوبی آگاہ تھے۔ **ضربِ کلیم** میں "انتداب" کے زیرِ عنوان اس مسئلے کے کھوکھلے پن کو نمایاں کیا گیا ہے کہ چونکہ اتحادی

جنگ جیت چکے ہیں، اس لیے اب یہ طے کریں گے کہ کن کن ممالک کو تہذیب سیکھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں قمار بازی اور شراب حرام ہے، جہاں عورت پورا لباس پہنتی ہے، جہاں آباو اجداد کا احترام کیا جاتا ہے، جو بے چین اور عمیق روح رکھتے ہیں، جہاں یونی ورسٹیوں کا فیض ابھی جاری نہیں ہوا، جہاں کا بچہ ابھی غیرت مند، عقل مند اور تازہ دم ہے، یورپ کا خیال ہے کہ وہ غیر مہذب ہیں اور اور انہیں تہذیب سیکھنے کی ضرورت ہے۔ **پیامِ مشرق**، مطبوعہ ۱۹۲۳ء میں "جمعیّت الاقوام" کے نام سے دو اشعار موجود ہیں، جو لیگ آف نیشنز کے گھناؤنے کردار کو نمایاں کرتے ہیں۔ اقبال کے خیال میں اس تنظیم کا مقصد ایک قبرستان میں قبروں کی تقسیم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

لیگ آف نیشنز کا ہیڈ کوارٹر شہر جنیوا یعنی سوئٹزر لینڈ میں تھا۔ یہاں یہ یاددہانی بے جا نہ ہو گی کہ پہلی صیہونی کانفرنس جس شہر میں ہوئی تھی، وہ بھی سوئٹزر لینڈ کا ہی تھا، یعنی بیسل۔ **پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق**، مطبوعہ ۱۹۳۶ء میں مذکورہ بالا نکتے کو اقبال نئے زاویے سے بیان کرتے ہیں کہ لیگ آف نیشنز کا ادارہ مکر و فن اور شکار کو بانٹنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ "مکہ اور جنیوا" کے عنوان سے ایک مختصر نظم **ضربِ کلیم** میں بھی ملتی ہے، جس میں اسلامی اور مغربی تصورِ وحدتِ آدم کا موازنہ کیا گیا اور ساتھ ہی لیگ کی چھتری کے نیچے اتحادیوں کی بندر بانٹ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مغرب کا مقصد اقوام میں تفریق پیدا کرنا ہے، جبکہ اسلام کا مقصد درسِ انسانیت کا فروغ ہے۔ مکہ نے جنیوا سے سوال پوچھا ہے کہ 'جمعیتِ اقوام' ہونی چاہیے یا 'جمعیتِ آدم'؟

'عہد نامہ سیورے' کی رو سے مقاماتِ مقدّسہ کے متعلق تنازعات کا حل نکالنے کے لیے برطانیہ نے ایک کمیشن بنانے کا فیصلہ کیا۔ برطانیہ نے اقبال کو اس کا ممبر مقرّر کرنے کا ارادہ کیا، مگر مالی مشکلات کی بنا پر انھوں نے یہ پیشکش منظور نہیں کی۔ بعد ازاں حالات کی پیچیدگی کی وجہ سے یہ کمیشن نہ بن سکا۔

عرب میں اپنا منصوبہ مکمل ہونے کے بعد برطانیہ نے شریفِ مکہ اور آلِ سعود کے وظائف بند کر دیے۔ شریفِ مکہ کا سارا کھیل ان برطانوی وظائف اور جنگی امداد پر ہی کھیلا جا رہا تھا۔ امداد بند ہونے پر عرب سردار اس سے ناراض ہونے لگے۔ وہ برطانوی معاہدوں کی بنا پر ایک وسیع عرب سلطنت کا خلیفہ بننے کا خواب دیکھے بیٹھا تھا، جس کی حدیں اناطولیہ سے بحر الہند تک اور ایران سے بحیرۂ روم تک پھیلی ہوں۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ فرانسیسی شام میں قابض ہو گئے، فلسطین کو بتدریج یہودیوں کے حوالے کیا جا رہا تھا، انگریز عراق پر تصرف جما چکے تھے۔ ایسی صورتِ حال میں شریف حسین کو اپنے خواب بکھرتے نظر آنے لگے۔ ۱۹۲۴ء میں جب ترکی نے مصطفیٰ کمال پاشا کی سربراہی میں خلافت کا

خاتمہ کیا تو شریفِ مکّہ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ گویا برطانیہ سے اس کے مکارانہ معاہدے کے سہارے اس وقت ٹکرانا تھا، جب وہ طاقت کے نشے میں چور تمام دنیا پر راج کر رہا تھا۔ شریف حسین کی بے وقت پیش قدمی دیکھ کر برطانیہ نے فوراً اپنا ریزرو مہرہ چلایا، جسے خاص اسی وقت کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز السعود، شریفِ مکّہ کو شکست دے کر حجاز کا بھی حکمران بن گیا اور یوں خلافت کا ایک بار پھر خاتمہ ہو گیا۔ آلِ رشید کو وہ پہلے ہی شکست دے چکا تھا۔ گویا برطانیہ کی چھتری تلے اب پورے عالمِ عرب میں کوئی اس کی ٹکر کا نہ تھا۔ شریف حسین خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا سبب بنا تھا، اس لیے اقبال کا غضب اس پر فطری تھا۔ جب آلِ سعود نے شریف حسین کو شکست دی تو گویا اقبال کی ہمدردیاں دونوں فریقین میں سے نسبتاً آلِ سعود کے ساتھ ہو گئیں۔ آلِ سعود کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ وہ بھی برطانیہ کا حاشیہ بردار تھے، اس لیے مکمل طور پر قابلِ اعتماد نہ تھا۔ **ارمغانِ حجاز** میں "حضورِ رسالتؐ" کے تیرھویں جزو میں اقبال نے شاہ عبدالعزیز کو مخاطب کر کے نصیحت کی کہ اے عبدالعزیز! تو حضورؐ کے جام سے شراب پی تاکہ ابد تک ان کے پہلو میں رہے۔ تو جہاں چاہے، اپنا خیمہ نصب کر لیکن یاد رکھ دوسروں سے خیمے کی رسی مانگنا حرام ہے۔ فرنگی صنم سے بیگانہ ہو جا کیونکہ اس کے معاہدے کی قیمت ایک جو کے برابر بھی نہیں ہے۔ تو چشمِ فاروقؓ سے نگاہ ادھار لے اور عالمِ نو میں بیباکانہ قدم رکھ۔

اگست ۱۹۲۹ء میں فلسطینی مسلمانوں کا وسیع پیمانے پر قتلِ عام کیا گیا۔ اتحادیوں کی شہ پا کر یہودیوں نے مسلمانوں بلکہ عورتوں اور بچوں کو بھی شہید کرنا شروع کر دیا۔ ان فسادات میں برطانوی فوج جنگی طیاروں کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئی، جس سے مسلمانوں کی شہادتیں کثیر تعداد میں ہوئیں۔ اس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں شدید غم و غصہّ پھیل گیا۔ ۷ ستمبر ۱۹۲۹ء کو انگریزوں کی فلسطین کے متعلق حکمتِ عملی کے خلاف لاہور میں بیرونِ دہلی دروازہ ایک عظیم الشّان جلسہ اقبال کی صدارت میں ہوا۔ انھوں نے اسلامی سلطنتوں اور خلافتِ عثمانیہ کے یہودیوں پر احسانات یاد دلائے۔ ہیکلِ سلیمانی اور مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ یاد دلانے کے بعد جلسے کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہودی یہاں آباد نہیں ہونا چاہتے تھے، برطانیہ نے انھیں اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ وہ اب مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر رہے ہیں۔ حکومت نے یہودیوں کو مسلح کر دیا ہے، جس کی وجہ سے خونریزی ہو رہی ہے۔ انھوں نے برطانیہ کو صیہونی تحریک سے مستقبل میں پیدا ہونے والے خطرناک نتائج سے بھی آگاہ کیا کہ اس سے غیر معمولی فتنوں کے ظہور پذیر ہونے کا خطرہ ہے۔ اقبال نے برطانوی حکومت کے اس کمیشن پر عدمِ اعتماد کا اظہار کیا، جو قتل و غارت گری کی

تحقیقات کے لیے فلسطین بھیجا جا رہا تھا۔[۱۳] صیہونی تحریک کے بارے میں اقبال کے خیالات سو فی صد درست ثابت ہوئے۔

دسمبر ۱۹۳۱ء میں موتمر عالمِ اسلامی کے دوسرے اجلاس میں شمولیت کے لیے اقبال کو دعوت دی گئی۔ یہ تنظیم شاہ عبد العزیز کی کوششوں سے ۱۹۲۶ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا مقصد ایک مستقل بین الاقوامی اسلامی تنظیم بنانا طے کیا گیا تھا، جو عالمِ اسلام کے استحکام اور تعاون کو پروان چڑھائے گی۔ پہلے وہ گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ۹ اکتوبر کو ایک پروگرام میں انھوں نے فرمایا کہ برطانیہ کو بحیرۂ مردار کے ذخائر کو بھول کر 'اعلانِ بالفور' واپس لے لینا چاہیے۔[۱۴] اس کے بعد وہ دسمبر میں بیت المقدس گئے۔ ۶ دسمبر ۱۹۳۱ء کو استقبال کے لیے مفتی امین الحسینی، مولانا شوکت علی اور ان کے ساتھی تشریف لائے۔ ایک نشست میں وہ نائب صدر کے طور پر سٹیج پر بھی بیٹھے۔ موتمر میں مندوبین کی صیہونیوں کی اسکیم کی شدید مخالفت سے انھیں یقین ہو گیا کہ فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کی اسکیم بالآخر ناکام رہے گی۔ وہاں ایک ضیافت کی تقریب میں ان کی ہائی کمشنر سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو اقبال نے فلسطینیوں کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لیے چند تجاویز پیش کیں۔ اقبال کے خیال میں مقامی جماعتی اختلافات کے باوجود موتمر شاندار طریق پر کامیاب رہی۔ اقبال بہت سی کمیٹیوں کے رکن تھے، جو بعض تجاویز پر بحث کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھیں۔ ایک سب کمیٹی میں انھوں نے بیت المقدس میں جامع ازہر کی طرح کی اسلامی یونی ورسٹی کے قیام کے بجائے بالکل جدید طرز پر یونی ورسٹی قائم کرنے کی تجویز دی۔ وہ ایسی یونی ورسٹیوں کے حق میں تھے، جو جدید سائنسی علوم کو عربی زبان میں منتقل کر دیں۔[۱۵] اس کانفرنس میں الحاج امین الحسینی کو تنظیم کا صدر، اقبال اور سید علوبہ پاشا کو نائب صدر منتخب کیا گیا۔ قیام کے آخری دن ۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ء کو اقبال نے اپنی الوداعی تقریر میں عالمِ اسلام کو متنبہ کیا کہ اسلام کو دو چیزوں سے خاص طور پر خطرہ ہے، جن میں ایک مادی الحاد ہے اور دوسری وطنی قومیت ہے۔ اقبال نے عربوں کو نصیحت کی کہ وہ متحد ہو کر عظیم طاقت بن جائیں۔ ان کے خیال میں یورپ کے الحاد کا مقابلہ اسلام کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اقبال نے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ اسلام کو بیرونی دشمنوں سے نہیں، اندرونی دشمنوں سے خطرہ ہے۔[۱۶] **بالِ جبریل**، مطبوعہ ۱۹۳۵ء کی نظم "ذوق و شوق" اس سفر کی یادگار ہے، جو اقبال کی ممتاز ترین نظم سمجھی جاتی ہے۔

برطانیہ کے نائب وزیر نو آبادیات نے جب سفارش کی کہ فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت قائم کر دی جائے تو اقبال نے ۶ نومبر ۱۹۳۳ء کو وائسرائے ہند کے نام برقیہ ارسال کیا کہ فلسطین کے حالیہ

واقعات کے تناظر میں فوراً تحقیقات کروائی جائیں اور فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ جلد از جلد روک دیا جائے۔ برطانیہ کے بہترین مفاد کا تقاضا ہے کہ 'اعلانِ بالفور' کو واپس لیا جائے۔[۱۷]

۷ نومبر ۱۹۳۳ء کو اقبال تیسری گول میز کانفرنس کے رکن کی حیثیت سے لندن گئے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو مس فارک ہرسن کا ان کی نیشنل لیگ کی بروقت سعی کرنے پر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وہ برطانیہ کی فلسطینی پالیسی کے خلاف عوامی رائے عامہ بنائیں۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کو پھر مس فارک ہرسن کے نام خط میں ان کے اور لارڈ ازلنگٹن کے فلسطین کے لیے کام کرنے پر احسان مند ہوئے۔

۶۔۸ نومبر ۱۹۳۶ء کو آل انڈیا فلسطین کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی، جس کی صدارت مولانا سید سلیمان ندوی نے کی۔ صدارت کے لیے اقبال کو پیش کش کی گئی لیکن 'کمر کے درد' کی بنا پر آپ نے معذرت کر لی۔

لیگ آف نیشنز کی یہود نواز سرگرمیاں کھل کر سامنے آنے لگ گئی تھیں۔ **ضربِ کلیم** میں اپنی نظم "جمعیّتِ اقوام" میں اقبال نے لیگ کو 'داشتۂ پیرکِ افرنگ' کہا۔ لیگ کی انسانیت کش ظالمانہ حکمتِ عملی کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اس کے تاریک مستقبل کے بارے میں پیشین گوئی کی، جو ان کی وفات کے چند سال بعد حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ نظم "شام و فلسطین" میں فلسطین پر یہودیوں کے استحقاق کے دعوے کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر فلسطین پر یہودیوں کا حق ہے تو ہسپانیہ پر بھی مسلمانوں کا حق تسلیم کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ فلسطین میں کوئی سازش بن رہا ہے۔ اقبال کو یقین تھا کہ مغربی طاقتوں یعنی برطانیہ، امریکہ اور فرانس کی تمام چالوں کے پیچھے، یہود کا ہاتھ ہے۔ **بالِ جبریل** کی نظم "یورپ" اور **ضربِ کلیم** کی نظم "یورپ اور یہود" اور "فلسطینی عرب سے" میں اس پر واضح روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۹۳۶ء میں یہودی آبادکاری کے خلاف فلسطینیوں نے سول نافرمانی کی تحریک چلائی اور ملک گیر ہڑتال کی، جو ۱۷۴ دنوں تک جاری رہی۔ یہ تاریخ کی طویل ترین ہڑتال تھی، جس نے تمام کاروبار، مواصلات اور ٹرانسپورٹ کو ٹھپ کر دیا۔ برطانیہ نے مسائل کے حل کے لیے فلسطین میں ایک رائل کمیشن بھیجا۔ ۷ جولائی ۱۹۳۷ء کو فلسطین سے متعلق رائل کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی، جس میں تقسیمِ فلسطین کی تجویز پیش کی گئی۔ برطانیہ نے اس رپورٹ کی بنیاد پر ایک وائٹ پیپر جاری کیا، جس میں اس تجویز کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا کہ عربوں اور یہودیوں کے تنازع میں صلح کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ برطانوی انتداب اس کے لیے ناکافی ہے، اس لیے اس مسئلے کے حل کے لیے فلسطین کو تقسیم کرنے کی

سفارش کی جاتی ہے۔[۱۸] اقبال اس تجویز سے تڑپ اٹھے۔ اس مرحلے پر ان کے لہجے میں کڑواہٹ کو آسانی سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو مس فارک ہرسن کے نام خط میں اقبال نے واضح کیا کہ فلسطین برطانیہ کی ذاتی جائداد نہیں۔ یہ تو اس کے پاس لیگ آف نیشنز کی جانب سے زیرِ انتداب ہے اور مسلمان اب لیگ کو یورپ کا ایسا ادارہ سمجھنے لگے ہیں، جو انھوں نے مسلمان ممالک کو تقسیم کرنے کے لیے بنایا ہے۔ فلسطین رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ صیہونیت کا آغاز قومی وطن کے ڈرامے سے کہیں زیادہ برطانیہ کے میڈیٹرینین پر قبضے کے لیے ہوا تھا۔ اقبال نے فلسطین رپورٹ کا مقصد بیان کرتے ہوئے واضح لفظوں میں کہا کہ رپورٹ کا مقصد بیت المقدس کو زیرِ انتداب رکھ کر عربوں سے زبردستی خریدنا ہے۔ اقبال نے آگاہ کیا کہ عربوں کو دھوکہ دینا خطرناک ثابت ہوگا۔

اقبال تقسیمِ فلسطین کے فیصلے سے مغموم اور رنجیدہ ہوگئے۔ انھوں نے خواہش کا اظہار کیا کہ مسلم لیگ فوراً لاہور میں ایک جلسۂ عام منعقد کرے اور اس تجویز کی مخالفت کرے۔ خود انھوں نے رائل کمیشن کے اس فیصلے کے خلاف ایک بیان انگریزی میں لکھا۔ یہ جلسہ ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء کو ملک برکت علی کی زیرِ صدارت موچی دروازے کے باغ میں منعقد ہوا۔ مسلم لیگ کی عوامی تحریک کا سب سے پہلا اور بڑا کامیاب جلسہ ثابت ہوا، جس میں فلسطین کے متعلق برطانوی حکومت کے رویّے کی مذمت کی گئی۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ اقبال کا یہ بیان آج بلاشبہ تبرکات میں شامل کرنا چاہیے، جو ان کی زندگی کے آخری سال کی اہم ترین تحریروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اصل بیان انگریزی میں تھا لیکن جلسۂ عام میں غلام رسول خاں نے اس کا ترجمہ پڑھ کر سنایا۔ عربوں کے ساتھ ناانصافی کو اقبال نے شدّت سے محسوس کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ابھی وقت ہے اور انگریزوں کو فلسطینیوں کے ساتھ وعدے پورے کرنے کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ برطانیہ کو یہ باور کروائیں کہ یہ مسئلہ پوری دنیا کے مسلمانوں پر اثرانداز ہورہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ برطانوی سازش کو رائل کمیشن کی رپورٹ نے ظاہر کردیا ہے۔ فلسطینیوں کو تنگ کرکے اپنی زمینیں بیچنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ مارشل لا کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ انھوں نے انگریزوں کو عربوں کے درمیان مشترکہ وفاق کا وعدہ بھی یاد دلایا۔ ترکوں اور عربوں کے اتحاد پر زور دیتے ہوئے کہا کہ کسی کو ترکوں کے خلاف پراپیگنڈے کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور مسلمان ممالک کو چاہیے کہ وہ اس اینگلو فرانسیسی ادارے کو مسترد کرکے اپنی الگ جمعیّتِ اقوام بنائیں۔ انھوں نے عربوں کو ترکوں سے ان کی بے وفائی بھی یاد دلائی۔ انھوں نے عربوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بادشاہوں کو قابلِ اعتماد نہ سمجھیں۔ فلسطین تمام عربوں اور غیر عربوں کی غیرت کا امتحان

ہے۔ خلافت کے بعد مسلمانوں کے لیے یہ پہلا بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ اقبال کے خیال میں یہ ممکن ہے کہ اس مسئلے کی وجہ سے مسلمان ممالک اس اینگلو فرانسیسی ادارے لیگ آف نیشنز سے اپنی جان چھڑا لیں اور وہ اپنی الگ ایسٹرن لیگ آف نیشنز [Eastern League of Nations] بنالیں۔[۱۹]

اس مرحلے پر اقبال کی فلسطین پالیسی جارحانہ ہو جاتی ہے۔ ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو اقبال نے مس فارک ہرسن کے نام خط میں لکھا کہ تمام مسلمان دنیا میں تقسیمِ فلسطین کے خلاف سخت احتجاج ہو رہا ہے۔ خود ہندوستان میں اس مسئلہ پر مسلمانوں نے فلسطین کمیشن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ تمام اسلامی دنیا مسئلۂ فلسطین پر متحد ہے۔ وفات سے تقریباً چھے ماہ قبل اقبال اس بارے میں حکومتِ برطانیہ پر مزید دباؤ ڈالنے اور فلسطینی تحریک کو فیصلہ کن مرحلے میں داخل کرنے کے لیے تیار تھے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام خط میں انھوں نے لکھا کہ اس مسئلے کے حل کے لیے مسلم لیگ ایک کانفرنس بلائے اور عہد کیا کہ اس طرح کے مسئلے کے حل کے لیے میں جیل جانے کو بھی تیار ہوں۔[۲۰]

اقبال نے لیگ آف نیشنز کے جانبدارانہ کردار پر سوال اٹھایا کہ وہ برطانیہ اور فرانس کے مفادات کا تحفّظ کر رہی ہے۔ امن قائم کرنے کا راگ محض ایک کھوکھلے نعرے کے علاوہ کچھ نہیں۔ مسلمان ممالک کو متحد کرنے کے لیے اقبال نے اقوامِ مشرق کی ایک الگ لیگ بنانے کا مشورہ دیا۔ اقبال مسلم ممالک کے اتحاد کے بہت بڑے حامی تھے۔ ۸ مئی ۱۹۲۲ء کے پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام اپنے مکتوب میں انھوں نے مغربی اور وسطی ایشیا کی مسلم اقوام کے بارے میں کہا کہ اگر وہ متحد ہو جائیں تو بچ سکتی ہیں ورنہ ان کا اللہ حافظ ہے۔

اقبال شروع سے ہی مسلم ممالک کے اتحاد کے علمبردار تھے۔ پین اسلام ازم سے جزوی اختلاف رکھنے کے باوجود اقبال نے ۱۹۱۱ء کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں مولانا شبلی نعمانی کی موجودگی میں اعلان کیا کہ مجھ کو پین اسلامسٹ ہونے کا اقرار ہے۔[۲۱] ۲۸ ستمبر ۱۹۳۳ء کو اقبال نے ایک بیان میں کہا کہ اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا منتظر ہے، جس میں نسلی امتیازات، شخصی اور مطلق العنان بادشاہتوں اور سرمایہ داریوں کی گنجائش نہیں۔ دنیا کا تجربہ ایسی سلطنت کو خود پیدا کرے گا۔ دنیا کو یہ خواب لگتا ہوگا، لیکن مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے۔[۲۲] ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء کو اقبال نے ظفر احمد صدیقی کو خط میں سورۃ الحجرات ۴۹: ۹ کے حوالے سے لکھا کہ اس آیت پر غور کرنے سے انکشاف ہوتا ہے کہ سیموئل ہور لیگ آف نیشنز میں جسے Collective Security کا نام دیتا ہے، قرآن اس اصول کو اس آیت

میں کس سادگی اور فصاحت سے بیان کرتا ہے۔ اگر گذشتہ زمانے کے مسلمان دانشور قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دنیا میں لیگ آف نیشنز جیسی تنظیم کو بنے صدیاں گزر گئی ہوتیں۔ اقبال نے قرآن کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دیں۔ پھر اگر ان دونوں میں سے کوئی زیادتی کرے تو اس کے خلاف لڑیں، یہاں تک کہ وہ صلح پر راضی ہو جائے۔

مسلم دنیا کا مرکز و محور مکہ اور مدینہ ہیں۔ اقبال نے تہران کو عالمِ مشرق کا جنیوا کہہ کر ایک نیا سیاسی تصور دیا۔ انھوں نے **Stray Reflections** میں "The Conquest of Persia" کے عنوان کے تحت ایران کی فتح کو تاریخِ اسلام کا سب سے اہم واقعہ قرار دیا تھا۔ ان کے خیال میں اس سے عربوں کو ایک ایسی قدیم تہذیب ہاتھ آئی، جس نے سامی اور آریائی عناصر کے امتزاج سے ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔ یہی بات اقبال نے ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ کے اپنے خطاب "The Muslim Community: A Sociological Study" میں بھی ذرا مختلف انداز میں کہی کہ اسلام کی سیاسی نشوونما میں عربوں کے کردار کو بھلایا نہیں جا سکتا، لیکن علم و حکمت کا زیادہ تر کام عجمیوں نے انجام دیا۔[۲۳] **ضربِ کلیم** میں بھوپال (شیش محل) میں لکھی گئی اقبال کی ایک نظم "جمعیتِ اقوامِ مشرق" کے نام سے موجود ہے، جس میں اقبال نے پانی اور ہوا پر مغرب کی حکمرانی کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنی خواہش اور ایک امکان کا اظہار کیا کہ نگاہِ فلک پیر بدل سکتی ہے۔ ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر بدل سکتی ہے اور پھر انھوں نے آخر میں جمعیتِ اقوامِ مشرق کا مرکز تہران ہونے کا نظریہ پیش کیا۔

اقبال نے قائدِ اعظم کو جو تحریک دی تھی، اس کا نتیجہ ان کی وفات کے بعد نمودار ہوا۔ یہ قائد اعظم ہی تھے، جن کی کوششوں سے مسلم لیگ کے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں دوسری قرار داد مسئلۂ فلسطین پر عبد الرحمان صدیقی کے پیش کرنے پر منظور کی گئی، جس میں برطانیہ کی طرف سے اس مسئلے میں تاخیری حربے اپنانے پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ فلسطینیوں کے ساتھ تدریجاً ایسا کچھ نہ کرنے پر زور دیا گیا، جس سے پہلی عالمی جنگ کے دوران مسلمانوں، خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ان سے کیے گئے عہد کی خلاف ورزی ہو۔ نیز برطانیہ کو اپنی بھاری فوجی طاقت کے زور پر عربوں کو محکومی پر مجبور کرنے پر خبردار کیا گیا۔[۲۴] ۱۹۴۳ء میں بھی مسلم لیگ کے اجلاس میں فلسطین کے بارے میں قرارداد منظور کی گئی، جو اس اجلاس کی بارھویں قرارداد تھی اور جس میں

صیہونیوں کی طرف سے پروپیگنڈے پر اپنی تشویش اور خطرے کا اظہار کیا گیا، جو ان کی آباد کاری اور فلسطین کو یہودی ریاست میں بدلنے کے لیے کیا جارہا تھا۔ ان کی نئی پالیسی کی مذمت کی گئی اور ۱۹۴۰ء والی قرارداد کی طرح پھر برطانوی اقدامات پر اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے خبر دار کیا گیا۔
[Foundations of Pakistan, Vol. 2, P. 346]

موتمرِ عالمِ اسلامی بھی جمعیتِ اقوامِ مشرق کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کام کر رہی تھی، جس کے اقبال نائب صدر تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد موتمر کے احیا کی کوششیں شروع ہوئیں، جس کے لیے فروری ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے دارالخلافہ کراچی میں ورلڈ مسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ موتمر عالمِ اسلامی کا اگلا اجلاس فروری ۱۹۵۱ء میں کراچی میں منعقد ہوا۔ موتمر کا ہیڈ کوارٹر کراچی کو قرار دیا گیا اور مسلمان ممالک کی فلاح و بہبود کے لیے شاندار منصوبوں کا آغاز کیا گیا۔ پھر وہ وقت آیا، جب ۲۵ ستمبر ۱۹۶۹ء کو اقبال کا خواب یعنی جمعیتِ اقوامِ مشرق، او آئی سی (Organization of Islamic Co-operation) کے نام سے معرضِ وجود میں آئی، جس نے ۱۹۷۰ء کی دہائی کی عرب اسرائیل جنگ میں مشترکہ لائحۂ عمل اور تیل کے ہتھیار کے ذریعے اسرائیل، برطانیہ، فرانس اور امریکہ کو کڑا وقت دیا۔ بعد ازاں مسلمان ممالک کی داخلی کمزوریوں کے وجہ سے یہ تنظیم بے اثر ہو کر رہ گئی اور وہ نتائج بر آمد نہ ہو سکے، جن کا اقبال نے خواب دیکھا تھا۔ اقبال کے پیغام پر اگر صحیح طور پر عمل کیا جاتا تو یقیناً نتیجہ مختلف ہوتا۔ اقبال نے کہا تھا کہ ہر مسلمان ملک کو پہلے اپنی خودی میں ڈوب جانا چاہیے تا کہ مضبوط اور طاقتور ہو کر ایک زندہ جمہوریتوں کا خاندان بنا سکیں۔ اس کے لیے اپنی نسلی عصبیتوں کو مشترک مفادات کی خاطر ترک کرنا پڑے گا۔ اسلام نہ تو نیشنل ازم ہے اور نہ ہی امپیریل ازم بلکہ یہ ایک ایسی لیگ آف نیشنز ہے، جو مصنوعی حدوں اور نسلی اختلافات تسلیم تو کرے، لیکن تہذیبی سطح پر یگانگت کو اپنا مینارۂ نور بنائے۔[۲۵] اقبال نے اس دانش کو قرآن سے اخذ کیا تھا، جس میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ [الحجرات ۴۹: ۱۳] جیسے فرد کی خودی اور بے خودی ہوتی ہے، بالکل ایسے ہی اجتماعی خودی اور بے خودی بھی ہوتی ہے، جو بالآخر عالمی قومی خودی کے روپ میں تشکیل پا کر پروان چڑھتی ہے اور نا قابلِ تسخیر ہو جاتی ہے۔

یہودیوں کی بیسل کانفرنس سے لے کر یو این او کے قیامِ اسرائیل تک معاملہ کا معروضی طور پر جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ پہلی عالمی جنگ کے فاتحین نے طاقت کے بل بوتے پر بین الاقوامی

معاہدات، قوانین اور اخلاقیات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عالمِ عرب کے عین قلب میں اس صیہونی ریاست کا پودا لگانے کا فیصلہ کیا۔ برطانیہ نے پہلے ترک اور عرب قومیت کی بنیاد پر خلافتِ عثمانیہ کو توڑا اور پھر اس کے بعد فلسطین کو صیہونیوں کے حوالے کر دیا۔ شریفِ مکہ اگرچہ ایک معاہدے کے تحت 'اعلانِ بالفور' کو تسلیم کر چکا تھا، لیکن فلسطین کے حق سے وہ مکمل طور پر دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ نتیجے کو طور پر برطانیہ نے شریف حسین کو سبق سکھانے کے لیے جغرافیائی قومیت کی بنیاد پر عربوں کو مزید تقسیم کیا اور آلِ سعود سے شریفِ حسین پر حملہ کروا کر عرب خلافت کا خاتمہ کروادیا۔ ۱۹۲۷ء میں آلِ سعود نے جب برطانیہ سے 'معاہدۂ جدہ' کیا تو اس میں خلافت یا مسئلۂ فلسطین کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہ تھا۔ یہی وہ حالات تھے، جب اقبال عربوں سے بددل ہو گئے۔ ویسے تو انھوں نے ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء میں ہی کہہ دیا تھا کہ اسلام کی سیاسی نشوونما میں عربوں سے زیادہ عجمیوں کا کردار ہے لیکن **ضربِ کلیم** میں کھل کر انھوں نے ایسٹرن لیگ آف نیشنز کا مرکز ایک عجمی شہر کو قرار دینے کا عندیہ دے دیا۔

***

# حوالہ جات و حواشی

1 Israel Cohen: **A Short History of Zionism**, London, Frederick Muller Ltd., 1951, P. 47

۲ برنی، سید مظفرّ حسین برنی (مرتّب): **کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**، جلد اول، دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء، ص ۶۷۲
مضمون میں اقبال کے محولہ تمام مکاتیب کو سید مظفر حسین برنی کی **کلیاتِ مکاتیبِ اقبال** کی جلدوں سے لیا گیا ہے، جہاں زمانی ترتیب سے انھیں بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

۳ ابوالکلام آزاد، مولانا: **مسئلۂ خلافت**، لاہور، مکتبۂ جمال، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱۹

۴ ایضاً، ص ۲۲۰

5 Anita C. Butera: **The Kingdom of Saudi Arabia Through The Eyes of Saudi Women**, Maryland, Lexington Books, 2021, P. 11
اس معاہدے کی شق وار تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سردار محمد حسنی، سید: سوانح حیات سلطان ابنِ سعود، جالندھر، لالہ کیشب چندر ہانڈہ مینیجنگ پروپرائیٹر، ۱۹۳۶ء، ص ۱۰۶-۱۰۷

(۲) زاہد الراشدی، ابو عمار (کالم نگار): سلطنتِ برطانیہ اور آلِ سعود کے درمیان معاہدہ، مطبوعہ روزنامہ **اوصاف** اسلام آباد، ۲۴ نومبر ۱۹۹۹ء

6 George Antonius: **The Arab Awakening**, London, Hamish Hamilton, 1945, PP.414-439

۷ چراغ حسن حسرت، مولانا: **بغاوتِ عرب اور لارنس**، لاہور، اردو کتب خانہ، ۱۹۳۰ء، ص ۵۸

8 Ashley H. Thorndike (Editor): **Masterpieces: World War** (Vol. Eleven), New York, Modern Eloquence Corporation, 1923, PP.268-269

9 George Antonius: **The Arab Awakening**, PP. 438

۱۰ ڈار، بشیر احمد (مرتّب): "اقبال کی ایک تقریر" مشمولہ **انوارِ اقبال**، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۷۷ء، ص ۴۳-۴۴

۱۱ رحیم بخش شاہین: **اوراقِ گم گشتہ**، دہلی، مرکزی مکتبۂ اسلامی، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۱۸۹-۱۹۰

12 Information and Intellectual Co-operation Sections: **League of Nations**, Geneva, Secretariat of the League of Nations, 1935, P. 206

۱۳ رفیق افضل، محمد: **گفتارِ اقبال**، لاہور، ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، ۱۹۷۷ء، طبع دوم، ص ۹۱-۹۴

۱۴ ایضاً، ص ۲۳۵

۱۵ ایضاً، ص ۱۴۶

۱۶ ایضاً، ص ۱۴۴

۱۷ ایضاً، ص ۱۷۹-۱۸۰

18 Hanna, Paul L.: **British Policy In Palestine**, Washington D.C., American, Council on Public Affairs, 1942, P. 131

۱۹ بٹالوی، ڈاکٹر عاشق حسین: **اقبال کے آخری دو سال**، کراچی، اقبال اکادمی، ۱۹۶۱ء (اشاعتِ اوّل)، ص ۴۱۷-۴۲۳

۲۰ جہانگیر عالم، محمد (مرتب): **اقبال کے خطوط جناح کے نام**، لاہور، اقبال اکادمی، ۲۰۰۲ء (اکادمی ایڈیشن، طبع اوّل)، ص ۷۹-۸۰

۲۱ **مقالاتِ اقبال**، ص ۱۸۴

۲۲ رفیق افضل، محمد، گفتارِ اقبال، ص ۱۷۸

---

۲۳ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: **تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ**، لاہور، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، طبع سوم (نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ)، ص ۴۸۷ (ضمیمہ ۳)

24 Pirzada, Syed Sharifuddin (Edited): **Foundations of Pakistan All-India Muslim League Documents: 1906- 1947**, Vol. 2, Karachi & Dacca, National Publishing House Ltd., 1970, P. 346

25 Iqbal, Muhammad: **The Reconstruction of Religious Thought in Islam**, Edited by M. Saeed Sheikh, Lahore, Iqbal Academy Pakistan and Institute of Islamic Culture, 1989, P. 126